

لِلْغَيْبِ حَفِظِينَ ﴿۸۱﴾ وَسَعَلَ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعَيْرَ
الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ أَهْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ
جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۸۳﴾ وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ
يَاسْقَى عَلَى يَوْسُفَ وَأَبْيَضَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۸۴﴾
قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَوْا تَذَكَّرُ يَوْسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ
تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿۸۵﴾ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي

نگہبانی تو ہم نہ کر سکتے تھے۔ آپ اس بستی کے لوگوں سے پوچھ لیجیے جہاں ہم تھے۔ اس قافلے سے
دریافت کر لیجیے جس کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں۔“

باپ نے یہ داستان سن کر کہا ”دراصل تمہارے نفس نے تمہارے لیے ایک اور بڑی بات کو سہل
بنا دیا۔ اچھا اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔ کیا بعید ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لالٹائے
وہ سب کچھ جانتا ہے اور اس کے سب کام حکمت پر مبنی ہیں۔“ پھر وہ ان کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گیا
اور کہنے لگا کہ ”ہائے یوسف!“ وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹا جا رہا تھا اور اس کی آنکھیں سفید
پڑ گئی تھیں۔۔۔ بیٹوں نے کہا ”خدارا! آپ تو بس یوسف ہی کو یاد کیے جاتے ہیں۔ نوبت یہ آگئی ہے کہ اس کے
غم میں اپنے آپ کو گھلادیں گے یا اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے۔“ اس نے کہا ”میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی

دوسرے کو اس کی جگہ کیسے رکھ سکتے ہیں؟ اس قسم کے توریہ کی مثالیں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات میں بھی ملتی ہیں اور کسی دلیل
سے بھی اس کو اخلاقاً معیوب نہیں کہا جاسکتا۔

۵۶۴ یعنی تمہارے نزدیک یہ باور کر لینا بہت آسان ہے کہ میرا بیٹا، جس کے حسن سیرت سے میں خوب واقف ہوں،
ایک پیالے کی چوری کا مرتکب ہو سکتا ہے۔ پہلے تمہارے لیے اپنے ایک بھائی کو جان بوجھ کر گم کر دینا اور اس کے قمیص پر چھوٹا

إِلَى اللَّهِ وَاعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۷﴾ يُبَيِّنُ أَذْهَبُوا
 فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَأْيِسُوا مِنْ رُوحِ اللَّهِ
 إِنَّهُ لَا يَأْتِسُ مِنْ رُوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۸﴾ فَلَمَّا
 دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَكْنَا الضُّرُّ وَجَدْنَا
 بِبِضَاعَةِ مُنْجِيَةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ
 اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿۸۹﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ
 وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿۹۰﴾ قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ

فریاد اللہ کے سوا کسی سے نہیں کرتا، اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم نہیں ہو۔ میرے بچے، جا کر یوسف
 اور اس کے بھائی کی کچھ ٹوہ لگاؤ، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت سے توبہ کا سفر ہی
 مایوس ہوا کرتے ہیں۔

جب یہ لوگ مصر جا کر یوسف کی پیشانی میں داخل ہوئے تو انہوں نے عرض کیا کہ "اے سردار با اقتدار
 ہم اور ہمارے اہل و عیال سخت مصیبت میں مبتلا ہیں، اور ہم کچھ حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں، آپ ہمیں
 بھر پور غلہ عنایت فرمائیں اور ہم کو خیرات دیں، اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے۔" (یہ سن کر یوسف
 سے نہ رہا گیا) اُس نے کہا "تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ
 کیا کیا تھا جبکہ تم نادان تھے"۔ وہ چونک کر بولے "ہائیں! کیا تم یوسف ہو؟" اُس نے کہا ہاں،

خون لگا کر لے آنا بہت آسان کام ہو گیا تھا۔ اب ایک دوسرے بھائی کو واقعی چور مان لینا اور بچھے آکر اس کی خبر دینا بھی
 ویسا ہی آسان ہو گیا۔

۵۶۵ یعنی ہماری اس گزارش پر جو کچھ آپ دیں گے وہ گویا آپ کا صدقہ ہوگا۔ اس غلے کی قیمت میں جو پونجی ہم
 پیش کر رہے ہیں وہ تو بے شک اس لائق نہیں ہے کہ ہم کو اُس قدر غلہ دیا جائے جو ہماری ضرورت کو کافی ہو۔

اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اِنَّ يُوْسُفَ وَ هٰذَا اَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰
 اَنَا يُوسُفُ وَ هَذَا أَخِي ذُرِّيَّةٌ مِّنْ لَّدُنِّي تَوَّابٌ ۝۹۰

میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی تقویٰ اور
 صبر سے کام لے تو اللہ کے ہاں ایسے نیک لوگوں کا اجر بار نہیں جاتا۔ انہوں نے کہا "بخدا کہ تم کو
 اللہ نے ہم پر فضیلت بخشی اور واقعی ہم خطا کار تھے۔" اس نے جواب دیا، "آج تم پر کوئی گرفت نہیں،
 اللہ تمہیں معاف کرے، وہ سب بڑھ کر رحم فرمانے والا ہے۔ جاؤ، میرا قبض لے جاؤ اور میرے والد
 کے مندر پر ڈال دو، ان کی بیٹائی پلٹ آئے گی، اور اپنے سب اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔"
 جب یہ قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے باپ نے (کنعان میں) کہا "میں یوسف کی خوشبو محسوس
 کر رہا ہوں، تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ میں بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں۔" گھر کے لوگ بولے "خدا کی قسم آپ

۱۲۶ اس سے انبیاء علیہم السلام کی غیر معمولی قوتوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ حضرت یوسف کا قبض لے کر مصر سے
 چلا ہے اور ادھر سبکدوشوں میل کے فاصلے پر حضرت یعقوب اس کی ملک پالیتے ہیں۔ مگر اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام
 کی یہ قوتیں کچھ ان کی ذاتی نہ تھیں بلکہ اللہ کی بخشش سے ان کو ملی تھیں اور اللہ جب اور جس قدر چاہتا تھا انہیں کام کرنے کا موقع
 دیتا تھا۔ حضرت یوسف برسوں مصر میں موجود رہے اور کبھی حضرت یعقوب کو ان کی خوشبو نہ آئی۔ مگر اب یکایک قوت اور اک
 کی تیزی کا یہ عالم ہو گیا کہ ابھی ان کا قبض مصر سے چلا ہے اور وہاں ان کی ملک آئی شروع ہو گئی۔

لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَى
وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ
اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا يَا بَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا
كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبُوهُ وَ

ابھی تک اپنے اسی پرانے جبط میں پڑے ہوئے ہیں۔“

پھر جب خوشخبری لانے والا آیا تو اس نے یوسفؑ کا قمیص یعقوبؑ کے منہ پر ڈال دیا اور یہاں تک
اس کی بیانی عود کر آئی تب اس نے کہا ”میں تم سے کہتا نہ تھا، میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا
ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ سب بول اٹھے ”ابا جان، آپ ہمارے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا
کریں، واقعی ہم خطا کار تھے۔“ اُس نے کہا ”میں اپنے رب سے تمہارے لیے معافی کی درخواست کروں گا،
وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔“

پھر جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اُس نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ بٹھایا اور اپنے

یہاں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ ایک طرف قرآن حضرت یعقوبؑ کو اس پیغمبرانہ شان کے ساتھ پیش کر رہا ہے اور دوسری
طرف بنی اسرائیل ان کو ایسے رنگ میں دکھاتے ہیں جیسا عرب کا ہر معمولی بدو ہو سکتا ہے۔ بائبل کا بیان ہے کہ جب بیٹوں نے آکر
خبر دی کہ ”یوسفؑ اب تک جیتا ہے اور وہی سارے ملک مصر کا حاکم ہے تو یعقوبؑ کا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ اس نے ان کا یقین
نہ کیا۔۔۔۔۔ اور جب ان کے باپ یعقوبؑ نے وہ گاڑیاں دیکھیں جو یوسفؑ نے ان کو لانے کے لیے بھیجی تھیں تب اس کی جان میں
جان آئی۔“ (پیدائش، ۲۵: ۲۶-۲۷)

۶۷ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے خاندان میں حضرت یوسفؑ کے سوا کوئی اپنے باپ کا قدر شناس نہ تھا اور
حضرت یعقوبؑ خود بھی ان لوگوں کی ذہنی و اخلاقی پستی سے مایوس تھے۔ گھر کے چراغ کی روشنی باہر پھیل رہی تھی، مگر خود گھر والے اندھیرے
میں تھے اور ان کی نگاہ میں وہ ایک ٹھیکرے سے زیادہ کچھ نہ تھا، فطرت کی اس ستم ظریفی سے تاریخ کی اکثر و بیشتر بڑی شخصیتوں کو
سابقہ پیش آیا ہے۔

۶۸ بائبل کا بیان ہے کہ سب افراد خاندان جو اس موقع پر مہر گئے، ۶ تھے۔ اس تعداد میں دوسرے گھرانوں کی ان لڑکیوں کو شمار نہیں کیا گیا ہے جو حضرت یعقوب کے ہاں بیاہی ہوئی آئی تھیں۔ اس وقت حضرت یعقوب کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۷۱ سال زندہ رہے۔

اس موقع پر ایک طالب علم کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر میں داخل ہوئے تو حضرت یوسف سمیت ان کی تعداد ۶۸ تھی۔ اور جب تقریباً ۵ سو سال کے بعد وہ مصر سے نکلے تو وہ لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ بائبل کی روایت ہے کہ خروج کے بعد دوسرے سال بیابان سینا میں حضرت موسیٰ نے ان کی جو مردم شماری کرائی تھی اس میں صرف قابل جنگ مردوں کی تعداد ۳۵۵۰۰۰ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے، سب ملا کر وہ کم از کم ۲۰ لاکھ ہوں گے۔ کیا کسی حساب پانچ سو سال میں ۶۸ آدمیوں کی اتنی اولاد ہو سکتی ہے؟ مصر کی کل آبادی اگر اس زمانے میں ۲ کروڑ فرض کی جائے (جو یقیناً بہت مبالغہ آمیز اندازہ ہوگا) تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف بنی اسرائیل وہاں ۱۰ فی صدی تھے۔ کیا ایک خاندان محض تناسل کے ذریعہ سے اتنا بڑھ سکتا ہے؟ اس سوال پر غور کرنے سے ایک اہم حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ ۵ سو برس میں ایک خاندان تو اتنا نہیں بڑھ سکتا۔ لیکن بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے۔ ان کے لیڈر حضرت یوسف، جن کی بدولت مصر میں ان کے قدم جمے، خود پیغمبر تھے۔ ان کے بعد چار پانچ صدی تک ملک کا اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس دوران میں یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہوگی۔ اہل مصر میں سے جو جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں بلکہ ان کا تمدن اور پورا طریق زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہو گیا ہوگا۔ مصریوں نے ان سب کو اسی طرح اجنبی ٹھہرایا ہوگا جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ٹھہرایا۔ ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح چسپائی کر دیا گیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر ”محدثین“ کا لفظ آج چسپائی کیا جاتا ہے۔ اور وہ خود بھی دینی و تہذیبی روابط اور شادی بیاہ کے تعلقات کی وجہ سے غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے وابستہ ہو کر رہ گئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر میں قوم پرستی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل ہی پر نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ یکساں لپیٹ لیے گئے۔ اور جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری مسلمان بھی ان کے ساتھ ہی نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں ہونے لگا۔

ہمارے اس قیاس کی تائید بائبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ”خروج“ میں جہاں بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کا حال بیان ہوا ہے، بائبل کا مصنف لکھا ہے کہ ”ان کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی“ (۳۸: ۱۲)۔ اسی طرح ”گنتی“ میں وہ پھر کہتا ہے کہ ”جو ملی جلی بھڑان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کی حرص کرنے لگی“ (۴: ۱۱)۔ پھر بتدریج ان غیر اسرائیلی مسلمانوں کے لیے ”اجنبی“ اور ”پرہیزی“ کی اصطلاحیں استعمال ہونے لگیں۔ چنانچہ توراہ میں حضرت موسیٰ کو جو احکام دیے گئے ان میں ہم کو یہ تصریح ملتی ہے:

”تمہارے لیے اور اُس پر دہیسی کے لیے جو تم میں رہتا ہے نسل و نسل سدا ایک ہی آئین رہے گا۔ خداوند کے آگے پر دہیسی بھی ویسے ہی ہوں جیسے تم ہو۔ تمہارے لیے اور پر دہیسیوں کے لیے جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں ایک ہی شرع اور ایک ہی قانون ہو“ (گنتی، ۱۵: ۱۵-۱۶)

”جو شخص بے پاک ہو کر گناہ کرے خواہ وہ دہیسی ہو یا پر دہیسی وہ خداوند کی امانت کرتا ہے۔ وہ شخص اپنے

قَالَ ادْخُلُوا مِصْرًا شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿۹۹﴾ وَرَفَعَ أَبُوبِهِ عَلَى
الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَاكَ

سب کنبے والوں سے) کہا "چلو، اب شہر میں چلو، اللہ نے چاہا تو امن چین سے رہو گے۔"

(شہر میں داخل ہونے کے بعد) اس نے اپنے والدین کو اٹھا کر اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور سب

اس کے آگے بے اختیار سجدے میں جھک گئے۔ یوسف نے کہا "ابا جان، یہ تعبیر ہے میرے اُس خواب

لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا (گنتی ۱۵: ۳۰)

"خواہ بھائی بھائی کا معاملہ ہو یا پردیسی کا، تم ان کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کرنا" (اشتناؤ ۱۶: ۱۶)

اب یہ تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کتاب الہی میں غیر اسرائیلیوں کے لیے وہ اصل لفظ کیا استعمال کیا گیا تھا جسے منتر جموں نے

"پردیسی" بنا کر رکھ دیا۔

۶۹ تلمود میں لکھا ہے کہ جب حضرت یعقوب کی آمد کی خبر دار السلطنت میں پہنچی تو حضرت یوسف سلطنت کے بڑے

بڑے امراء و اہل مناصب اور فوج قرا کو لے کر ان کے استقبال کے لیے نکلے اور پورے تازک و افتشام کے ساتھ ان کو شہر میں لائے۔ وہ

دن وہاں جشن کا دن تھا۔ عورت، مرد، بچے، سب اس جلوس کو دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو گئے تھے اور سارے ملک میں خوشی کی

لہر دوڑ گئی تھی۔

۷۰ اس لفظ "سجدہ" سے بکثرت لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ حقیقی کہ ایک گروہ نے تو اسی سے استدلال کر کے بادشاہوں اور

پیروں کے لیے سجدہ تہیتہ اور سجدہ تعظیمی کا جواز نکال لیا۔ دوسرے لوگوں کو اس قباحت سے بچنے کے لیے اس کی یہ توجیہ کرنی پڑی کہ اگلی

شریعتوں میں صرف سجدہ عبادت غیر اللہ کے لیے حرام تھا، باقی رہا وہ سجدہ جو عبادت کے جذبہ سے خالی ہو تو وہ خدا کے سوا دوسروں

کو بھی کیا جا سکتا تھا، البتہ شریعت محمدی میں ہر قسم کا سجدہ غیر اللہ کے لیے حرام کر دیا گیا۔ لیکن ساری غلط فہمیاں دراصل اس وجہ سے

پیدا ہوئی ہیں کہ لفظ "سجدہ" کو موجودہ اسلامی اصطلاح کا ہم معنی سمجھ لیا گیا، یعنی ہاتھ، گھٹنے اور پیشانی زمین پر ٹکانا۔ حالانکہ سجدہ کے اصل

معنی محض جھکنے کے ہیں اور یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ قدیم تہذیب میں یہ عام طریقہ تھا (اور آج بھی بعض ملکوں میں

اس کا رواج ہے) کہ کسی کا شکر یہ ادا کرنے کے لیے، یا کسی کا استقبال کرنے کے لیے، یا محض سلام کرنے کے لیے سینے پر ہاتھ رکھ کر کسی حد

تک آگے کی طرف جھکتے تھے۔ اسی جھکاؤ کے لیے عربی میں سجود اور انگریزی میں Bow) کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ بائبل

میں اس کی بکثرت مثالیں ہم کو ملتی ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ طریقہ آداب تہذیب میں شامل تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کے متعلق ایک جگہ لکھا ہے

کہ انہوں نے اپنے خیمہ کی طرف تین آدمیوں کو آتے دیکھا تو وہ ان کے استقبال کے لیے دوڑے اور زمین تک جھکے۔ عربی بائبل میں اس

موقع پر جو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فلما نظر رکض لاستقبائهم من باب الخيمة و سجدوا الى الارض

مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ

کی جو یہ نے پہلے دیکھا تھا، میرے رب نے اسے حقیقت بنا دیا۔ اس کا احسان یہ کہ اُس نے مجھے

(تکوین: ۱۸-۳) پھر جس موقع پر یہ ذکر آتا ہے کہ بنی زرت نے حضرت سارہ کے دفن کے لیے قبر کی زمین مفت دی وہاں اُردو بائبل کے الفاظ یہ ہیں "ابراہام نے اُٹھ کر اور بنی حث کے آگے، جو اس ملک کے لوگ ہیں، آداب بجا لاکر ان سے یوں گفتگو کی اور حث ان لوگوں نے قبر کی زمین ہی نہیں بلکہ ایک پورا کھیت اور ایک غار نذر میں پیش کر دیا تب "ابراہام اس ملک کے لوگوں کے سامنے جھکا" مگر عربی ترجمہ میں ان دونوں مواقع پر آداب بجالانے اور جھکنے کے لیے "سجدہ کرنے" ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں: فقہام ابراہیم وسجد للشعب الارض لبني حث (تکوین: ۲۳: ۷) - فسجد ابراہیم امام شعب الارض (۲۳: ۱۲) - انگریزی بائبل میں ان مواقع پر جو الفاظ آئے ہیں وہ یہ ہیں

Bowed himself toward the ground.

Bowed himself to the people of the land and Abraham bowed

اس مضمون کی مثالیں بڑی کثرت سے بائبل میں ملتی ہیں اور ان سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سجدے کا مفہوم وہ ہے ہی نہیں جو اب اسلامی اصطلاح کے لفظ "سجدہ" سے سمجھا جاتا ہے۔

جن لوگوں نے معاملہ کی اس حقیقت کو جانے بغیر اس کی تاویل میں سرسری طور پر یہ لکھ دیا ہے کہ اگلی شریعتوں میں غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا یا سجدہ نتیجہ بجالانا جائز تھا انہوں نے محض ایک بے اصل بات کہی ہے۔ اگر سجدے سے مراد وہ چیز ہو جسے اسلامی اصطلاح میں سجدہ کہا جاتا ہے، تو وہ خدا کی بھی ہوئی کسی شریعت میں کبھی کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں رہا ہے۔ بائبل میں ذکر آتا ہے کہ بائبل کی اسیری کے زمانے میں جب اخسوریس بادشاہ نے ہامان کو اپنا امیر الامرا بنایا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس کو سجدہ تعظیمی بجالایا کریں تو مردکی نے جو بنی اسرائیل کے اولیاء میں سے تھے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا (استر ۱: ۱۰-۱۲) تیسرے میں اس واقعہ کی شرح کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل دی گئی ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:

"بادشاہ کے ملازموں نے کہا آخر تو کیوں ہامان کو سجدہ کرنے سے انکار کرتا ہے؟ ہم بھی آدمی ہیں مگر شاہی حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا تم لوگ نادان ہو۔ کیا ایک فانی انسان، جو کل خاک میں مل جائے والا ہے، اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی بڑائی مانق جائے؟ کیا میں اُس کو سجدہ کروں جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا، کل بچہ تھا، آج جوان ہے، کل بوڑھا ہو گا اور پر سوں مر جائے گا؟ نہیں، میں تو اس ازلی وابدی خدا ہی کے آگے جھکوں گا جو جی و قیوم ہے..... وہ جو کائنات کا خالق اور حاکم ہے، میں تو بس اسی کی تعظیم بجاناؤں گا، اور کسی کی نہیں ۛ

أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ
 أَنْ تَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِمَا
 يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۱۰ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ
 وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
 أَنْتَ وَليُّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقْنِي بِالصَّالِحِينَ ۱۱

قید خانے سے نکالا، اور آپ لوگوں کو صحرا سے لاکر مجھ سے ملایا حالانکہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں
 کے درمیان فساد ڈال چکا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ میرا رب غیر محسوس تدبیروں سے اپنی مشیت پوری کرتا
 ہے، بے شک وہ علیم اور حکیم ہے۔ اسے میرے رب، تو نے مجھے حکومت بخشی اور مجھ کو باتوں کی تہ
 تک پہنچنا سکھایا۔ زمین و آسمان کے بنانے والے، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا سرپرست ہے،
 میرا خاتمہ اسلام پر کر اور انجام کار مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔

یہ تقریر نبی کریم ﷺ سے تقریباً ایک ہزار برس پہلے ایک اسرائیلی مومن کی زبان سے ادا ہوئی ہے اور اس میں کوئی شاہد
 اس تخیل کا نہیں پایا جاتا کہ غیر اللہ کو کسی معنی میں بھی "سجدہ" کرنا جائز ہے۔
 لکھ بچہ فقیر سے جو اس موقع پر حضرت یوسفؑ کی زبان سے نکلے ہیں، ہمارے سامنے ایک بچے مومن کی سیرت کا عجیب و گھٹن
 نقشہ پیش کرتے ہیں۔ صحرائی گلہ بانوں کے خاندان کا ایک فرد، جس کو خود اس کے بھائیوں نے حسد کے مارے ہلاک کر دینا چاہا تھا، از ننگ
 کے نشیب و فراز دیکھتا ہوا بالآخر دنیوی عروج کے انتہائی مقام پر پہنچ گیا ہے۔ اس کے قحط زدہ اہل خاندان اب اس کے دست نگر ہو کر
 اس کے حضور آئے ہیں اور وہ حاسد بھائی بھی، جو اس کو مار ڈالنا چاہتے تھے، اس کے تخت شاہی کے سامنے سرنگوں کھڑے ہیں۔
 یہ موقع دنیا کے عام دستور کے مطابق فخر جتانے، ڈینگیں مارنے، گلے اور شکوے کرنے، اور طعن و ملامت کے تیر بربانی کا تھا
 مگر ایک سچا خدا پرست انسان اس موقع پر کچھ دوسرے ہی اخلاق ظاہر کرتا ہے۔ وہ اپنے اس عروج پر فخر کرنے کے بجائے اس خدا
 کے احسان کا اعتراف کرتا ہے جس نے اسے یہ مرتبہ عطا کیا۔ وہ خاندان والوں کو اس ظلم و ستم پر کوئی ملامت نہیں کرتا جو اوائل عمر میں
 انہوں نے اس پر کیے تھے۔ اس کے برعکس وہ اس بات پر شکر ادا کرتا ہے کہ خدا نے اتنے دنوں کی جلدائی کے بعد ان لوگوں کو مجھ سے
 ملایا۔ وہ حاسد بھائیوں کے خلاف شکایت کا ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتا۔ حتیٰ کہ یہ بھی نہیں کہتا کہ انہوں نے میرے ساتھ برائی کی تھی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
 اِذْ اَجْمَعُوْا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَ
 لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَسْأَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنَّ هُوَ

اے محمدؐ، یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اس وقت موجود نہ تھے
 جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی مگر تم خواہ کتنا ہی چاہو ان میں سے اکثر
 لوگ مان کر دینے والے نہیں ہیں۔ حالانکہ تم اس خدمت پر ان سے کوئی اجرت بھی نہیں مانگتے ہو۔ یہ تو

بلکہ ان کی صفائی خود ہی اس طرح پیش کرتا ہے کہ شیطان نے میرے ادران کے درمیان برائی ڈال دی تھی۔ اور پھر اس برائی کے بھی بُرے
 پہلو چھوڑ کر اس کا یہ اچھا پہلو پیش کرتا ہے کہ خدا جس مرتبے پر مجھے پہنچانا چاہتا تھا اس کے لیے یہ لطیف تدبیر اس نے فرمائی۔ یعنی
 بھائیوں سے شیطان نے جو کچھ کرایا اسی میں حکمت الہی کے مطابق میرے لیے خیر تھی۔ چند الفاظ میں یہ سب کچھ کہ جانے کے بعد وہ
 بے اختیار اپنے خدا کے آگے جھک جاتا ہے، اس کا شکر ادا کرتا ہے کہ تو نے مجھے بادشاہی دی اور وہ قابلیتیں بخشیں جن کی بدولت میں قید خانے
 میں سڑنے کے بجائے آج دنیا کی سب سے بڑی سلطنت پر فرماں روائی کر رہا ہوں۔ اور آخر میں خدا سے کچھ مانگتا ہے تو یہ کہ دنیا میں جب تک
 زندہ رہوں تیری بندگی و غلامی پر ثابت قدم رہوں، اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں تو مجھے نیک بندوں کے ساتھ ملا دیا جائے۔
 کس قدر بلند اور کتنا پاکیزہ ہے یہ نمونہ سیرت!

حضرت یوسفؑ کی اس قیمتی تقریر نے بھی بائبل اور تلمود میں کوئی جگہ نہیں پائی ہے۔ سیرت ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری
 تفصیلات سے تو بھری پڑی ہیں، مگر جو چیزیں کوئی اخلاقی قدر و قیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیاء کی اصلی تعلیم اور ان کے حقیقی مشن
 اور ان کی سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، ان سے ان کتابوں کا دامن خالی ہے۔

یہاں یہ قصہ ختم ہو رہا ہے اس لیے ناظرین کو پھر اس حقیقت پر توجہ کر دینا ضروری ہے کہ قصہ یوسف علیہ السلام کے متعلق
 قرآن کی یہ روایت اپنی جگہ ایک مستقل روایت ہے، بائبل یا تلمود کا چہرہ نہیں ہے۔ تینوں کتابوں کا متقابل مطالعہ کرنے سے یہ بات
 واضح ہو جاتی ہے کہ قصے کے متعدد اہم اجزاء میں قرآن کی روایت ان دونوں سے مختلف ہے۔ بعض چیزیں قرآن ان سے زائد
 بیان کرتا ہے، بعض ان سے کم، اور بعض میں ان کی تردید کرتا ہے۔ لہذا کسی کے لیے یہ کہنے کی گنجائش نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 نے جو قصہ سنایا وہ بنی اسرائیل سے سن لیا ہوگا۔

۱۲ یعنی ان لوگوں کی بہت دھرمی کا عجیب حال ہے۔ تمہاری نبوت کی آزمائش کے لیے بہت سوچ سمجھ کر اور مشورے
 کر کے جو مطالبہ انہوں نے کیا تھا اسے تم نے بھری محفل میں بر جستہ پورا کر دیا، اب شاید تم متوقع ہو گے کہ اس کے بعد تو انہیں یہ تسلیم

إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۴﴾ وَكَأَيِّن مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ

ایک نصیحت ہے جو دنیا والوں کے لیے عام ہے۔ ع

زمین اور آسمانوں میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے یہ لوگ گزرتے رہتے
ہیں اور ذرا توجہ نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر اللہ کو مانتے ہیں مگر اس طرح

کہ لینے میں کوئی تامل نہ رہے گا کہ تم یہ قرآن خود تصنیف نہیں کرتے جو بلکہ واقعی تم پر وحی آتی ہے۔ مگر یقین جانو کہ یہ اب بھی نہ مانیں گے
اور اپنے انکار پر جے رہنے کے لیے کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈ نکالیں گے۔ کیونکہ ان کے نہ ماننے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ تمہاری صداقت
کا اطمینان حاصل کرنے کے لیے یہ کھلے دل سے کوئی معقول دلیل چاہتے تھے اور وہ ابھی تک انہیں نہیں ملے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے
کہ تمہاری بات یہ ماننا چاہتے نہیں ہیں، اس لیے ان کو تلاش دراصل ماننے کے لیے کسی دلیل کی نہیں بلکہ نہ ماننے کے لیے کسی بہانے کی ہے۔
اس کلام سے مقصود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی غلط فہمی کو رفع کرنا نہیں ہے۔ اگرچہ بظاہر خطاب آپ ہی سے ہے، لیکن اس کا اصل مقصد
مخاطب گروہ کو جس کے مجمع میں یہ تقریر کی جا رہی تھی، ایک نہایت لطیف و تبلیغ طریقہ سے اس کی ہٹ دھرمی پر تنبیہ کرنا ہے۔ انہوں نے اپنی
محفل میں آپ کو امتحان کے لیے بلایا تھا اور جانک یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر تم نبی ہو تو بتاؤ بنی اسرائیل نے مہر جانے کا قصہ کیا ہے۔ اس کے
جواب میں ان کو وہیں اور اسی وقت پورا قصہ سنا دیا گیا، اور آخر میں یہ مختصر سا فقرہ کہہ کر آئینہ بھی ان کے سامنے رکھ دیا گیا کہ ہٹ دھرمی اس
میں اپنی صورت دیکھ لو تم کس منہ سے امتحان لینے بیٹھے تھے؟ معقول انسان اگر امتحان لیتے ہیں تو اس لیے لیتے ہیں کہ اگر حق ثابت ہو جائے
تو اسے مان لیں، مگر تم وہ لوگ ہو جو اپنا منہ مانگا ثبوت مل جانے پر یہی مان کر نہیں دیتے۔

۱۴ اور پر کی تنبیہ کے بعد یہ دوسری لطیف تزیینہ ہے جس میں ملامت کا پہلو کم اور فمائش کا پہلو زیادہ ہے۔ اس ارشاد کا
خطاب بھی بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اصل مخاطب کفار کا مجمع ہے اور اس کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کے بندو! غور کرو،
تمہاری یہ ہٹ دھرمی کس قدر بے جا ہے، اگرچہ غیر نے اپنے کسی ذاتی مفاد کے لیے دعوت و تبلیغ کا یہ کام جاری کیا مہرنا، یا اس نے اپنی
ذات کے لیے کچھ بھی چاہا ہوتا تو بے شک تمہارے لیے یہ کہنے کا موقع تھا کہ ہم اس مطلبی آدمی کی بات کیوں مانیں۔ مگر تم دیکھ رہے ہو کہ
یہ شخص بے غرض ہے، تمہاری اور دنیا بھر کی بھلائی کے لیے نصیحت کر رہا ہے اور اس میں اس کا اپنا کوئی مفاد پوشیدہ نہیں ہے۔ پھر اس کا مقابلہ
اس ہٹ دھرمی سے کرنے میں آخر کیا معقولیت ہے؟ جو انسان سب کے بھلے کے لیے ایک بات بے غرضی کے ساتھ پیش کرے اس سے کسی کو
خواہ مخواہ ضد کیوں ہو؟ کھلے دل سے اس کی بات سنو، دل کو لگتی ہو تو مانو، نہ لگتی ہو نہ مانو۔

۱۵ اور پر کے گیارہ رکوعوں میں حضرت یوسفؑ کا قصہ ختم ہو گیا۔ اگر وحی الہی کا مقصد محض قصہ گوئی ہوتا تو اسی جگہ تقریر ختم
ہو جانی چاہیے تھی۔ مگر یہاں تو قصہ کسی مقصد کی خاطر کہا جاتا ہے اور اس مقصد کی تبلیغ کے لیے جو موقع بھی مل جائے اس سے ناٹھو اٹھانے

يَا لَهِ اِلَّا وَ هُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۱۳۶﴾ اَفَا مَنُوا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاثِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَ هُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۳۷﴾ قُلْ

کہ اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ کیا یہ مطمئن ہیں کہ خدا کے عذاب کی کوئی بلا انہیں درپوش نہ لے گی یا بے خبری میں قیامت کی گھڑی اچانک ان پر نہ آجائے گی؟ تم ان سے صاف کہدو کہ

میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ اب چونکہ لوگوں نے خود نبی کو بلایا تھا اور قصہ سننے کے لیے کان متوجہ تھے، اس لیے ان کے مطلب کی بات ختم کرتے ہی چند جملے اپنے مطلب کے بھی کہہ دیے گئے اور غایت درجہ اختصار کے ساتھ ان چند جملوں ہی میں نصیحت اور دعوت کا سارا مضمون سمیٹ دیا گیا

۱۳۵ اس سے مقصد لوگوں کو ان کی غفلت پر تنبیہ کرنا ہے۔ زمین اور آسمان کی ہر چیز بجاٹھے خود محض ایک چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک نشانی بھی ہے جو حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو لوگ ان چیزوں کو محض چیز ہونے کی حیثیت سے دیکھتے ہیں وہ انسان کا سادکھینا نہیں بلکہ جانوروں کا سادکھینا دیکھتے ہیں۔ سوخت کو سوخت، اور پھاڑ کو پھاڑ اور پانی کو پانی تو جانور بھی دیکھتا ہے، اور اپنی اپنی ضرورت کے لحاظ سے ہر جانور ان چیزوں کا مصرف بھی جانتا ہے۔ مگر جس مقصد کے لیے انسان کو محاس کے ساتھ سوچنے والا دماغ بھی دیا گیا ہے، وہ صرف اسی حد تک نہیں ہے کہ آدمی ان چیزوں کو دیکھے اور ان کا مصرف اور استعمال معلوم کرے، بلکہ اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی حقیقت کی جستجو کرے اور ان نشانیوں کے ذریعہ سے اُس کا سراغ لگائے۔ اسی معاملہ میں اکثر انسان غفلت برت رہے ہیں اور یہی غفلت ہے جس نے ان کو گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ اگر دلوں پر یہ قفل نہ چڑھا گیا ہوتا تو انبیاء کی بات سمجھنا اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانا لوگوں کے پیچھے اس قدر مشکل نہ ہو جاتا۔

۱۳۶ یہ فطری نتیجہ ہے اُس غفلت کا جس کی طرف اوپر کے فقرے میں اشارہ کیا گیا ہے جب لوگوں نے نشانِ راہ سے انکھیں بند کیں تو سیدھے راستے سے ہٹ گئے اور اطراف کی جھاڑیوں میں پھنس کر رہ گئے۔ اس پر بھی کم انسان ایسے ہیں جو منزل کو بالکل ہی گم کر چکے ہوں اور جنہیں اس بات سے قطعاً انکار ہو کہ خلائق کا خالق و رازق ہے۔ بیشتر انسان جس گمراہی میں مبتلا ہیں وہ انکارِ خدا کی گمراہی نہیں بلکہ شرک کی گمراہی ہے۔ یعنی وہ یہ نہیں کہتے کہ خدا نہیں ہے، بلکہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدا کی ذات اور اس کی صفات، اختیارات اور حقوق میں دوسرے بھی کسی نہ کسی طرح شریک ہیں۔ یہ غلط فہمی ہرگز نہ پیدا ہوتی اگر زمین و آسمان کی اُن نشانیوں کو نگاہِ عبرت سے دیکھا جاتا جو ہر جگہ اور ہر آنِ خدائی کی وحدت کا پتہ دے رہی ہیں۔

۱۳۷ اس سے مقصد لوگوں کو چونکا کر دیکھنا ہے کہ فرصتِ زندگی کو دراز نہ سمجھ کر اور حال کے امن کو دائم خیال کر کے نکلنا کسی کو کسی آنے والے وقت پر نہ ٹالو۔ کسی انسان کے پاس بھی اس امر کے لیے کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اس کی مہلتِ حیات فلاں وقت تک یقیناً باقی رہے گی۔ کوئی نہیں جانتا کہ کب اچانک اس کی گرفتاری ہو جاتی ہے اور کہاں سے کس حال میں وہ پکڑا جاتا ہے۔ تمہارا شب و روز کا تجربہ

وقف التہی
علیہ السلام

هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُوا إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي
وَ يُسَبِّحَنَّ اللَّهَ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۸﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ
قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِي إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَفَلَمْ يَسِيرُوا
فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
وَلَدَأْسُ الْأَفْحَرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۹﴾

میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

اے محمد! تم سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے تھے وہ سب بھی انسان ہی تھے اور انہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے اور انہی کی طرف ہم وحی بھیجتے رہے ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ ان قوموں کا انجام انہیں نظر نہ آیا جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں؟ یقیناً آخرت کا گھر ان لوگوں کے لیے اور زیادہ بہتر ہے جنہوں نے پیغمبروں کی بات مان کر تقویٰ کی روش اختیار کی۔ کیا اب بھی تم لوگ نہ سمجھو گے؟

ہے کہ پورے مستقبل ایک لمحہ پہلے بھی خبر نہیں دیتا کہ اس کے اندر تمہارے لیے کیا چھپا ہوا ہے۔ لہذا کچھ فکر کرنی ہے تو ابھی کر لو۔ زندگی کی جس راہ پر چلے جا رہے ہو اس میں آگے بڑھنے سے پہلے ذرا ٹھہر کر سوچ لو کہ کیا یہ راستہ ٹھیک ہے؟ اس کے درست ہونے کے لیے کوئی واقعی حجت موجود ہے؟ اس کے راہ راست ہونے کی کوئی دلیل آثار کائنات سے مل رہی ہے؟ اس پر چلنے کے جو نتائج تمہارے ابناء کے لیے پہلے دیکھ چکے ہیں اور جو نتائج اب تمہارے تمدن میں رونما ہو رہے ہیں وہ یہی تصدیق کرتے ہیں کہ تم ٹھیک جا رہے ہو؟

۱۸ یعنی اُن باتوں سے پاک جو اس کی طرف منسوب کی جا رہی ہیں۔ ان تعالیں اور کمزوریوں سے پاک جو ہر مشرک کا عقیدے کی بنا پر لازمًا اس کی طرف منسوب ہوتی ہیں۔ ان عیب اور خطاؤں اور برائیوں سے پاک جن کا اس کی طرف منسوب ہونا شرک کا منطقی نتیجہ ہے۔

۱۹ یہاں ایک بہت بڑے مضمون کو دو تین جملوں میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ اس کا اگر کسی مفصل عبارت میں بیان کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے: یہ لوگ تمہاری بات کی طرف اس لیے توجہ نہیں کرتے کہ جو شخص کل ان کے شہر میں پیدا ہوا اور انہی کے درمیان بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھا ہوا اس کے متعلق یہ کیسے مان لیں کہ یکا یک ایک روز خدا نے اُسے اپنا سفیر مقرر کر دیا۔ لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے جس سے آج دنیا میں پہلی مرتبہ انہی کو سابقہ پیش کیا ہو اس سے پہلے بھی خدا اپنے نبی بھیج چکا ہے اور وہ سب بھی انسان ہی تھے۔ پھر یہ بھی